www.rahimia.org

شریعت، طریقت اور اجتماعیت پر مبنی دینی شعور کا نقیب

رحیمیہ لاہور

ماہنامہ

بانی: حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ
مسند نشین رابع خانقاہ عالیہ رحیمیہ رائے پور

مدیر اعلیٰ: حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری
جانشین حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ

مجلس ادارت
سرپرست: ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن
صدر: مفتی عبدالمتین نعمانی
مدیر: محمد عباس شاد

دسمبر 2017ء / ربیع الاوّل 1439ھ جلد نمبر 9، شمارہ نمبر 12 – قیمت: 20 روپے سالانہ ممبرشپ: 200 روپے – تین سالہ ممبرشپ: 500 روپے

حُسنِ ترتیب

سورتِ فاتحہ کے مضامین کا خلاصہ
محبتِ رسول ﷺ کا تقاضا
مذہبی جماعتوں کا اتحاد
جزا و سزا کے بنیادی اَسباب
حضرات صحابہ کرامؓ کا اختیاری فقر
خوش آمدید مہنگائی
امریکی صدر کی جنوب مشرقی ایشیا میں سیر و سیاحت
کل انسانیت کے لیے رحمت للعالمین ﷺ
حضور ﷺ کی پانچ امتیازی خصوصیات
جماعتِ صحابہؓ کا مقام
ماں باپ
مظہرِ یزداں مولانا احمد سعید مجددی دہلویؒ
دینِ اسلام میں صحیح تجارتی نظام کی اہمیت
نعتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم
دینی مسائل

ارشادِ گرامی

حضرت اقدس مولانا **شاہ عبدالقادر** رائے پوری قدس سرہ
مسند نشین ثانی
خانقاہ عالیہ رحیمیہ رائے پور

”آج کل کی سائنس کی ترقیوں نے قرآن و حدیث میں بیان کی ہوئی بہت سی پیشین گوئیوں اور پہلے زمانے کے بعض معجزات کا سمجھنا آسان کر دیا ہے۔ اگرچہ حقیقت کا علم تو کسی چیز کے واقع ہونے پر ہی ہوتا ہے، مگر اعتراض کرنے والوں کو اب گنجائش ویسی نہیں رہی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا تخت اڑتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے ہواؤں کو مسخر کر دیا تھا۔ اب خدا تعالیٰ نے بعض ہواؤں کو — کہ گیس اور بھاپ وغیرہ بھی ہوائیں ہی ہیں — انسان کے قابو میں کر دیا ہے کہ بڑے بھاری ہوائی جہازوں کو بے تکلف آسمان میں اڑائے لیے پھرتے ہیں۔“

(۱۱ رمضان المبارک ۱۳۶۵ھ/ 9 اگست 1946ء، مقام: رائے پور)

(ارشادات حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری، ص 135، طبع: رحیمیہ مطبوعات، لاہور)

ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

رحیمیہ ہاؤس، 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور
0092-42-36307714,36369089-www.rahimia.org
Email: info@rahimia.org
رحیمیہ کا انگلش ایڈیشن ہماری ویب سائٹ پر پڑھا جا سکتا ہے۔

رقومات کی ترسیل بنام ”ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ ٹرسٹ لاہور“ اکاؤنٹ نمبر 0010030341820010 الائیڈ بینک مزنگ چونگی برانچ لاہور، برانچ کوڈ 0533

www.rahimia.org

درسِ قرآن

تفسیر: شیخ التفسیر حضرت مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

سورتِ فاتحہ کے مضامین کا خلاصہ

آخری قسط

اس سورتِ مبارکہ کو دعا کی صورت میں پڑھنے سے اللہ تعالیٰ کی ان چار صفات (حمدِ الٰہی، ربوبیتِ الٰہی، رحیمیتِ الٰہی، مالکیتِ الٰہی) پر اعتماد پیدا ہوتا ہے۔ اس طرح انسانی سوسائٹی کا نظام چلانے کے لیے درج ذیل آٹھ بنیادی اساسی اصول اس سورتِ مبارکہ کے مطالعے سے واضح ہوتے ہیں۔ ہر مسلمان کے پیشِ نظر یہ اصول رہنے چاہئیں اور ان پر پورا اعتماد اور یقین ہونا چاہیے:

1۔ قانونِ الٰہی کے مطابق چلنے والے کائنات کے عالمگیر نظام پر اعتماد۔ (اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ)

2۔ تکوینی تغیرات کو سمجھنا اور تشریعی احکامات کو تسلیم کرنا۔ (رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ)

3۔ مخلوقات کے لیے رحمت و شفقت کی سوچ رکھنا۔ (الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۙ)

4۔ عدل و انصاف کی بنیادی قدر کی کو اہمیت دینا۔ (مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ؕ)

5۔ اللہ ہی کی عبادت کرنا اور تمام کاموں میں اُسی سے مدد مانگنا۔
(اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ؕ)

6۔ تمام معاملات میں اللہ سے ہی رہنمائی چاہنا۔ (اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ)

7۔ عقلی اور تاریخی حوالے سے کامیاب اور انعام یافتہ لوگوں کے راستے پر چلنا۔
(صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ)

8۔ ناکام، گمراہ اور غضبِ الٰہی کے حامل لوگوں کے راستے سے بچنا۔
(غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ؕ)

اس طرح قرآن حکیم کی یہ پہلی سورت ایسے بنیادی اصولوں کی نشان دہی کرتی ہے، جس کی اساس پر خدا پرستی اور انسان دوستی کا اعلیٰ ترین نمونہ قائم ہوتا ہے۔ یوں خدا پرست اور انسان دوست سوسائٹی قائم کرنے میں مدد ملتی ہے۔

یہ سورت قرآن حکیم کے آغاز میں ہی اس کے مضامین کے بنیادی امور کی نشان دہی کرتی ہے۔ اس لیے اس سورت کا نام "الفاتحہ" (دیباچہ قرآن) ہے۔ یہ سورت چند اساسی اصولوں کا تعارف کرا رہی ہے۔ اس لیے اس کا ایک نام "الأساس" (تعلیماتِ قرآنیہ کے بنیادی اصول) بھی ہے۔ اسے "اُمُّ الکتاب" (بنیادی تعلیم) بھی کہا گیا۔ اسے سورت "الکافیہ" بھی کہا جاتا ہے۔ اس لیے کہ انسانی زندگی کے جملہ امور میں رہنمائی کے لیے کافی ہے۔ اسے "الشافیہ" بھی کہا گیا ہے۔ کیوں کہ اس میں انسانی مسائل کے حل کا شفا بخش نظام دیا گیا ہے۔ قرآن حکیم میں اسے "سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ" (87:15) (بار بار دہرائی جانے والی سات آیات) کہا گیا ہے۔ اس سورت کو "سورت الدعاء" بھی کہا گیا۔ انسان اپنے دل سے ان بنیادی اساسی اصولوں پر عمل کرنے کی اللہ سے دعا مانگتا ہے اور "آمین" کہہ کر اس کی قبولیت کی دعا کرتا ہے۔

درسِ حدیث

تشریح: مولانا ڈاکٹر محمد ناصر، جھنگ

محبتِ رسول ﷺ کا تقاضا

عَنْ اَنَسٍ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: "لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّلَدِهٖ وَ وَالِدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ." (صحیح مسلم، حدیث نمبر 44)

(حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک (پورا) مؤمن نہیں ہوگا، یہاں تک کہ میں اس کے نزدیک اس کی اولاد، اس کے باپ اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب ہو جاؤں۔")

اس حدیث میں مؤمن کے ایمان کا کمال یہ بتایا گیا ہے کہ اسے اپنے ماں باپ، اولاد اور تمام رشتوں سے زیادہ عزیز نبی اکرمؐ کی ذاتِ مبارکہ ہو۔ رسول اللہؐ بے شمار خوبیوں کے مالک ہیں، جن کی وجہ سے ایک مؤمن کو آپؐ سے محبت کرنی چاہیے۔ ان میں سے آپؐ کی ایک بڑی خوبی صفتِ جامعیت ہے۔ آپؐ نے انسانی اوصاف و کمالات اور دین کے مختلف پہلوؤں کو جس گہرائی اور وسعت کے ساتھ بیان کیا ہے، وہ بہت اعلیٰ درجے کا ہے۔ آپؐ نے انسان کی روحانی اور اخلاقی ترقی کو خلوت کدے میں بند کرنے کے بجائے اسے جلوتوں اور دوسرے انسانوں کے ساتھ حسن سلوک، میل ملاپ، خیر خواہی، ایثار و قربانی کے بلند پایہ اوصاف کے ساتھ منسلک کر کے بامِ عروج تک پہنچانے کے اصول بتائے۔ آپؐ نے دین کو معاشرت اور انسانوں کو دُنیاوی امور سے الگ کرنے کے بجائے انسانی سماج میں رہ کر دُنیوی ترقی اور اس کے ذریعے اُخروی فلاح کا راستہ دکھایا۔

آپؐ نے سماج کے تمام شعبوں میں بنیادی رہنمائی دی۔ کاروباری سرگرمیوں، لین دین، معاملات کی خوبی اور خامی، عائلی زندگی سے لے کر قومی اور بین الاقوامی تمام امور کو رسول اللہ ﷺ نے اُجاگر کیا۔ سیرتِ طیبہ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ فرد، اجتماع، معاشرت، کاروبار، تجارت، سیاست، حکومتی و عدالتی معاملات میں رسول اللہؐ نے ایسی بے شمار ہدایات دی ہیں، جو زندگی کے تمام امور کا احاطہ کرتی ہیں۔ ان اہداف کو حاصل کرنے کے لیے جماعت سازی، سماجی سرگرمیوں میں حصہ، سیاست اور حکومتی معاملات کی بابت رائے قائم کرنا اور ایک درست اور صحیح نظریے پر قائم جماعت کے حق میں کردار ادا کرنے کی آپؐ نے سنت جاری کی۔ آپؐ نے اپنی جماعت کے ساتھ مل کر ان امور کا عملی مظاہرہ کیا۔ حاصل یہ کہ رسول اللہؐ نے انسان کو اپنی ذات کے خول میں بند ہو کر اللہ کا قرب حاصل کرنے اور محض اپنی خوبیوں کو نکھارنے کے بجائے سماج اور اجتماع میں اپنے حصے کا کردار ادا کر کے مخلوقِ خدا کی خدمت سے اللہ کو راضی کرنے کی راہ دکھائی۔ آج ہمارا معاشرہ ان حوالوں سے سیرتِ طیبہ کے اس اہم پہلو کو نظر انداز کر چکا ہے۔ عصرِ حاضر کے حالات کے تناظر میں رسول اللہؐ سے محبت کا تقاضا ہے کہ آپؐ نے اللہ اور مخلوقِ خدا کے ساتھ محبت کا جو راستہ اپنایا، اس راہِ عمل کو اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کا محور بنائیں کہ محبینِ صادقین نے محبوبِ الٰہی سے یونہی محبت کی ہے۔

www.rahimia.org

اداریہ

مذہبی جماعتوں کا اتحاد

آج کل قومی میڈیا میں مذہبی جماعتوں کے سیاسی اتحاد المعروف ''متحدہ مجلس عمل'' کی بحالی کی ایک بار پھر بازگشت سنائی دے رہی ہے۔ یاد رہے کہ 2002ء میں ملک کی چھ مذہبی پارٹیوں پر مشتمل یہ اتحاد سامنے آیا تھا، جو بعد ازاں 2007ء میں تحلیل ہو گیا تھا، لیکن مذہبی جماعتیں وقفے وقفے سے اپنے حلیفوں اور حریفوں کو دھمکانے کے لیے اپنے اس اتحاد کو بحال کرنے کے عزم کا اظہار کرتی رہی ہیں۔ اس لیے کسی مناسب موقع کی تلاش میں رہی ہیں۔ اب ملک کی نئی سیاسی صورتِ حال جس میں حکمران جماعت کی اقتدار پر گرفت کمزور ہوتے ہی در پردہ اُس کی اتحادی مذہبی جماعتوں نے مستقبل کے مفادات کے لیے نئے مواقع کی کھوج لگانا شروع کر دی ہے۔ جس کے نتیجے میں منصورہ لاہور میں 9/نومبر 2017ء کو ایک اجلاس میں ''متحدہ مجلس عمل'' کو بحال کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے، جس کا اعلان رواں ماہ میں متوقع ہے۔

متحدہ مجلس عمل دراصل مذہب کے نام پر ایک سیاسی اتحاد ہے۔ مذکورہ اتحاد بھی مفاد پرستی اور مذہب کو بہ طور آلہ کار استعمال کرنے کا عمل ہے۔ مذہب کو سیاست میں بہ طور ہتھیار کے استعمال کی چمپئن؛ جماعتِ اسلامی ہمیشہ ایسے اتحادوں کی روحِ رواں رہی ہے۔ اسی بدولت وہ ضیاء الحق جیسے بدترین آمر کی منظورِ نظر رہی۔ کیوں کہ اس کا بنیادی حربہ بھی اپنے اقتدار کو دوام بخشنے کے لیے دل کھول کر مذہب کو گھناؤنے مقاصد کے لیے استعمال کرنا تھا۔ پاکستانی سیاست میں مذہبی جماعتوں کی حیثیت ایک پریشر گروپ کی رہی ہے اور ایم ایم اے کی بحالی کی شکل میں ایک بڑا پریشر گروپ بحال ہو جائے گا، جو سسٹم سے اپنی طاقت کے مطابق مفادات حاصل کر سکے گا اور سسٹم بھی حصہ بہ قدرِ جثہ کے بہ موجب انھیں سمونے (Accommodate) کی کوشش کرے گا۔

ملک میں نئی سیاسی صورتِ حال کے تناظر میں ابھی تک ایم ایم اے کا تازہ واضح ایجنڈا سامنے نہیں آیا، لیکن پاکستان کی مذہبی جماعتوں کی سیاسی بصیرت کے پیشِ نظر اُن کے ایجنڈے کو جان لینا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ کیوں کہ ماضی میں نہ صرف ایم ایم اے، بلکہ ہماری مذہبی سیاست کا ایجنڈا سوائے فرقہ واریت اور پس ماندگی کے کچھ نہیں رہا۔ ان لوگوں کے مسلکی اور فرقہ وارانہ خیالات کی خلیج اتنی وسیع ہے کہ اسے کسی بھی طرح پاٹنا ممکن ہی نہیں۔ یہ لوگ قومی جمہوری سیاست اور انسانی حقوق کی جدوجہد سے بیگانے ہیں۔ اسی بیگانگی کے سبب یہ لوگ ماضی قریب کی باشعور علمائے حق کی قیادت سے اپنے ذہنی رشتے بھی منقطع کر چکے ہیں۔ کیوں کہ انھیں ان کی سیاست سمجھ ہی نہیں آئی۔ اِن کی سیاست سماجی ایشوز اور معاشرتی مسائل کے بجائے اعتقادات اور فرقہ وارانہ مسائل کی بحثوں کے گرد گھومتی رہی ہے۔ جس کے باعث یہ لوگ نفرت انگیز نعروں، آتش فشاں خطبوں، شعلہ بار تحریروں کے خالق رہے ہیں۔ اسی لیے ان کا ماضی آپسی تعلقات کے حوالے سے بہت ہی تلخ ہے۔ ان کے درمیان مسلکی اور اعتقادی اتنی زیادہ پیچیدگیاں ہیں، جو مشترکہ پلیٹ فارم سے کامیابی کے بعد دوبارہ عود کر آئیں گی کہ انھیں کسی ضابطے کے تحت لانا ممکن ہی نہیں ہے۔

اس تناظر میں موجودہ اتحاد ایک موسمی انتخابی اتحاد سے زیادہ کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ نیز اس اتحاد کے نتیجے میں کسی بڑے کارنامے کی اُمید نہیں کی جا سکتی۔ کیوں کہ ایم ایم اے کی ماضی کی کارکردگی نعروں کے سوا کچھ نہیں رہی۔ مذہبی جماعتوں کا یہ اتحاد تیسری جنس کی شادی کے مترادف ہے کہ وہ شادی جتنے بھی خلوص اور امید سے کی جائے، لیکن نسلِ انسانی کی بقا کے فطری قوانین کا متبادل نہیں ہو سکتی۔

اُن کی ماضی کی کارکردگی کے حوالے سے ایک معاصر کا تجزیہ قابلِ توجہ ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ: ''2002ء کے عام انتخابات میں مجلس عمل نے ووٹ نفاذِ اسلام، امریکا مخالفت، فحاشی کا خاتمہ، فرقہ واریت کا خاتمہ اور پرویز مشرف کی روشن خیالی کے خلاف نعرے لگا کر لیا تھا۔ 2004ء میں جب صوبہ سرحد میں متحدہ مجلس عمل کا طوطی بولتا تھا، ان کی خیر و برکات دیکھ لیں کہ یہ وہی سال ہے جسے پشتو فلموں کی تاریخ میں سب سے کامیاب سال قرار دیا جاتا ہے۔ جب ایک سے بڑھ کر ایک پچیس فلمیں ریلیز ہوتی ہیں، جن میں سے بیس فلمیں ہٹ ہوئیں۔ مختصر یہ کہ نفاذِ اسلام کا نعرہ لگا کر ووٹ لینے والوں کی حکومت کے دوران فحاشی و عریانی نہ صرف فلموں کی صورت فروغ پاتی رہی، بلکہ پشاور میں قائم جسم فروشی کے اڈے صوبائی حکومت کی ناک کے نیچے برابر چلتے بھی رہے۔ جب کہ اتنے مضبوط مذہبی اتحاد کے ہوتے اسلام مخالف حدود آرڈیننس بل بھی اسمبلیوں سے منظور ہوا۔ امریکا بھی سرحد کے آر پار من مانیاں کرتا رہا۔ ادھر جس مشرف کی روشن خیالی کے خلاف محاذ آرائی کا نعرہ لگایا تھا، ایل ایف او پر سمجھوتہ کر کے مشرف کے ہاتھ پہ بیعت بھی کر لی گئی۔ اتحاد کے ہوتے سکردو سے لے کر کراچی تک فرقہ وارانہ فسادات اور قتل بھی اسی دور میں ہوئے۔ 2005ء میں تو گلگت بلتستان فرقہ واریت کی آگ میں جل رہا تھا۔ بلتستان میں اہل سنت اقلیت کے مراکز، مساجد، املاک، دکانیں نذرِ آتش کی گئیں۔ مجلس عمل کی قیادت نے کتنے دورے کیے بلتستان کے؟ مختصر یہ کہ متحدہ مجلس عمل نے جن نعروں پہ ووٹ لیا تھا، ان میں سے کسی ایک پر بھی عمل نہیں ہوا۔''

متحدہ مجلس عمل میں شامل پارٹیوں اور اس سے وابستہ کارکنوں کا مخمصہ یہ ہے کہ وہ اپنے اتحاد کو پاکستان میں موجود اُن پارٹیوں، جن کی شناخت مذہبی نہیں ہے، سے موازنہ کرتے ہیں اور ان کے مقابلے میں اپنی بارگیننگ پاور بناتے ہوئے اسے دین کی خدمت قرار دیتے ہیں۔ حال آں کہ مذہبی پارٹیاں بھی اُسی سیاسی نظام کا حصہ ہیں، جس نظام میں غیر مذہبی سیاسی جماعتیں اپنا کردار ادا کر رہی ہیں۔ جوہری طور پر ان دونوں قسم کی پارٹیوں کے کردار اور نتائج میں کوئی فرق نہیں۔ سوائے اس کے کہ ایک طبقہ اپنے سیاسی کاروبار پر مذہبی سائن بورڈ لگا لیتا ہے۔

(مدیر)

www.rahimia.org

افکارِ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ

جزا و سزا کے بنیادی اسباب

مترجم: مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

برعظیم پاک و ہند کی عظیم ترین شخصیت حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اٹھارہویں صدی عیسوی میں انقلابی افکار اور تعلیمات انسانیت کے سامنے پیش کیے ہیں۔ دوسرے ہجری ہزارے میں دین حق کی سچی تعلیمات پر مبنی اُن کے بیان فرمودہ افکارِ عالیہ آج بھی اپنے اندر تازگی رکھتے ہیں۔ یہ افکارِ عالیہ نئی سیاسی، سماجی اور معاشی تشکیل کے لیے بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ مترجم

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ "حُجّۃُ اللّٰہ البالغہ" میں فرماتے ہیں:

"جاننا چاہیے کہ (انسانی اعمال کی) جزا و سزا کے اسباب و علل اگرچہ بہت زیادہ ہیں، لیکن وہ (سب کے سب درج ذیل) دو بنیادی اصولوں پر مبنی ہیں:

(1) ان میں سے ایک یہ کہ انسانی نفس اپنی قوتِ ملکیہ کے پہلو سے یہ محسوس کرے کہ اُس کا کیا ہوا کوئی عمل اور خُلق اُس کے لیے مناسب نہیں تھا۔ اس پر اُسے ندامت، حسرت اور تکلیف محسوس ہوتی ہے۔ (چناں چہ:)

(الف) بسا اوقات اس کا کیا ہوا بُرا عمل سونے یا جاگنے کی حالت میں ایسے واقعات کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے، جو ملامت، اہانت اور خوف پر مشتمل ہوتے ہیں۔

(ب) کسی نفس میں یہ (اعلیٰ) استعداد ہوتی ہے کہ اُسے بُرے عمل کی مخالفت کرنے کا الہام ہو جاتا ہے۔ پس فرشتوں کی زبان سے اُسے مخاطب کر کے اُس عمل کی خرابی اُسے دکھا دی جاتی ہے، جیسا کہ دیگر علوم کی استعداد رکھنے والے کے ساتھ ہوتا ہے۔

اس اصول کی طرف اللہ تعالیٰ کے اس قول میں اشارہ کیا گیا ہے: "ہاں! جس نے کوئی گناہ کیا اور اُسے اُس کے گناہ نے گھیر لیا، سو وہی دوزخی ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔" (القرآن 2:81) (اس اصول کی طرف واضح اشارہ اس آیتِ مبارکہ میں بھی ہے: "کہیں کوئی نفس کہنے لگے: ہائے حسرت اور افسوس! اُس پر جو میں نے اللہ کے حق میں کوتاہی کی اور میں تو ہنسی مذاق ہی کرتا رہ گیا۔" القرآن 39:56۔ مترجم)

(2) (جزا و سزا کا) دوسرا سبب حظیرۃ القدس کا حضرت آدمؑ کی اولاد کی طرف متوجہ ہونا ہے۔ ملاءِ اعلیٰ میں اللہ کے پسندیدہ اور اس کی ناراضگی کا سبب بننے والے اعمال، اَخلاق اور ہیئات موجود ہیں۔ جب انسان اچھے اعمال و اَخلاق و ہیئات اختیار کرتا ہے تو ملاءِ اعلیٰ کے فرشتے اللہ تعالیٰ سے ایسے لوگوں کو انعام دینے کا تقاضا کرتے ہیں اور بُرے اعمال کرنے والوں کو عذاب دینے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ ان فرشتوں کی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ اس طرح فرشتوں کی ہمتیں انسانوں کا گھیراؤ کر لیتی ہیں اور اچھے یا بُرے عمل کے نتیجے میں اُن پر رضائے الٰہی یا لعنتِ خداوندی کا بہاؤ ہوتا ہے۔ جیسا کہ (انسانی ضرورت کے) دیگر علوم ملاءِ اعلیٰ کے ذریعے سے ہی نیچے اُترتے ہیں۔ چناں چہ:

(الف) ایسے واقعات ظاہر ہوتے ہیں، جو ملامت یا انعام پر مشتمل ہوتے ہیں۔

(ب) بسا اوقات انسان اُن فرشتوں کے غصے اور ناراضگی سے اس قدر متاثر ہوتا ہے کہ اُس پر بے ہوشی یا مرض کی سی کیفیت طاری ہوتی ہے۔

(د) بسا اوقات ملاءِ اعلیٰ کے فرشتوں کی ہمت سے کیے گئے فیصلے چھوٹے چھوٹے واقعات اور خیالات کی صورت ظاہر ہوتے ہیں۔ پس (ملاءِ سافل کے) فرشتوں یا دیگر انسانوں کو الہام ہوتا ہے کہ اچھے عمل کرنے والے انسان کے ساتھ اچھا برتاؤ کریں یا بُرے عمل والے کے ساتھ بُرا برتاؤ کریں۔

(ہ) بسا اوقات انسان کے مال اور اولاد وغیرہ سے متعلق کاموں کو اُس کی فلاح یا فساد کی طرف تبدیل کر دیا جاتا ہے۔ چناں چہ اچھے اعمال والے کے لیے انعامات کی تقریبات اور بُرے اعمال کرنے والے کے لیے عذاب کی صورت ظاہر ہوتی ہے۔

بلکہ اس سلسلے میں حق بات تو یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے جس دن آسمان و زمین پیدا کیے تھے، اُسی دن انسانوں پر اس کی عنایتِ خاص نے اس بات کو لازمی قرار دے دیا تھا کہ تمام افرادِ انسان بغیر جزا و سزا کے ہرگز نہیں چھوڑے جائیں گے، بلکہ وہ جو کچھ عمل کریں گے، اُس پر اُن کا مواخذہ ہوگا۔ لیکن چوں کہ اس کا ادراک کرنا بڑا ہی باریکی کا پہلو رکھتا ہے، اس لیے ہم نے فرشتوں کی دعا کو اس کا عنوان قرار دیا ہے۔ واللہ اعلم۔

جزا و سزا کے اس اصول کی طرف اللہ تعالیٰ کے اس قول میں اشارہ کیا گیا ہے کہ:

"بے شک جو لوگ کافر ہوئے اور کافر ہی مر گئے، انھیں پر اللہ اور فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت ہے۔ اسی لعنت میں ہمیشہ رہیں گے۔ ان پر سے عذاب ہلکا نہ ہوگا اور نہ اُن کو مہلت ملے گی۔" (القرآن 2:62-162)

ان دونوں اصولوں کے باہم ملنے اور ان کی ہیئتِ ترکیبیہ سے ہر انسانی نفس کی استعداد اور اُس کے عمل کے مطابق جزا و سزا کی بہت سی عجیب و غریب صورتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ لیکن (یاد رہے کہ) پہلا اصول انسانی نفس کے انفرادی اعمال و اَخلاق کے نتیجے میں پیدا ہونے والی اصلاح یا فساد کے حوالے سے زیادہ قوی کردار ادا کرتا ہے۔ جب کہ دوسرا اصول اجتماعی مصلحتوں سے متضاد اعمال و اَخلاق کے حوالے سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ ایسے غلط اعمال و اَخلاق جو انسانیت کے مجموعی نظام کی صلاح و فلاح سے متصادم ہیں۔ اس اصول کے حوالے سے جزا و سزا کے مستحق انسانوں کی اکثریت ایسے افراد پر مشتمل ہوتی ہے، جو کمزور اور قبیح اعمال و اَخلاق کو قبول کرتی ہے۔

ان ہر دو اسباب و علل کی بنا پر دنیا میں جزا و سزا کے پورا ہونے میں کچھ رکاوٹیں بھی ہوتی ہیں، جو اُس جزا و سزا کے حکم کو ایک وقت تک روکے رکھتی ہیں۔ چناں چہ:

(1) پہلے اصول (یعنی احساسِ ندامت و اہانت) کو کسی انسان میں موجود قوتِ ملکیت کی کمزوری اور اُس کی قوتِ بہیمیہ کی مضبوطی ایک وقت تک روکے رکھتی ہے۔ گویا کہ اس وقت وہ صرف ایک جانور ہوتا ہے۔ جس کی (کمزور) ملکیت کو اپنی اہانت اور تکلیف کا احساس تک نہیں ہوتا۔ ایسے انسان سے جیسے ہی اُس کی بہیمیت کا پردہ کمزور پڑتا ہے، اُسے حیوانی مدد نہیں ملتی اور ملکیت کی روشنی آنا شروع ہوتی ہے تو اُسے بہ تدریج عذاب یا انعامات کا احساس ہونے لگتا ہے۔

(2) دوسرے اصول (ملاءِ اعلیٰ کے فرشتوں کی دعا یا بددعا) کے مطابق جزا و سزا کے حکم پر عمل درآمد میں بعض اوقات اس لیے رکاوٹ ہو جاتی ہے کہ مجموعی اسباب موافق نہیں ہوتے۔ یہاں تک کہ جب اللہ کی مقرر کردہ مدت آ جاتی ہے تو وہ جزا و سزا بھرپور طریقے سے ظاہر ہوتی ہے۔ اسی کو اللہ تعالیٰ کے اس قول میں بیان کیا گیا ہے: "ہر قوم کے لیے ایک مقررہ وقت ہے۔ پھر جب اُن کا وعدہ آ پہنچے گا، نہ ایک گھڑی پیچھے جا سکیں گے اور نہ آگے جا سکیں گے۔" (القرآن 7:34) (باب اسباب المجازات، المبحث الأوّل)

www.rahimia.org

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اختیاری فقر

مولانا مفتی عبدالقدیر، چشتیاں

خلافتِ راشدہ کا دور تاریخ اسلام کا مثالی دور ہے۔ اس میں قرآن وسنت کے مطابق نہ صرف عرب میں، بلکہ قیصر وکسریٰ کے ظالمانہ استحصالی نظاموں کو توڑ کر تمام شعبہ ہائے زندگی میں اسلام کا عادلانہ نظام قائم کیا گیا۔ سیاست، معیشت، معاشرت، اخلاق، غرض! ہر شعبے میں اسلام کا بول بالا ہوا۔ قابل نمونہ بات یہ ہے کہ پوری دنیا کو امن، خوش حالی، آسودگی، محبت، بھائی چارہ اور عزت وقار سے ہمکنار کرنے والے اسلام کے ان رہنماؤں نے اپنی زندگی میں فقر وزہد اختیار کیے رکھا۔ درج ذیل واقعہ پڑھیے! اور سبق حاصل کیجیے!

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب ملک شام میں پہنچے تو عساکرِ اسلامیہ (اسلامی لشکروں) کے افسر حضرت ابوعبیدہؓ کے خیمے میں گئے اور ان سے پوچھا کہ: ''اے عبیدہ! تمھارے پاس کچھ کھانے کو بھی ہے؟'' انھوں نے روٹی کے سوکھے ٹکڑے سامنے رکھ دیے اور پانی لاکر رکھ دیا۔ یہ حال دیکھ کر حضرت عمرؓ رونے لگے اور فرمایا: ''اے ابوعبیدہ! اب تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر فتوحات سے وسعت کردی ہے۔ پھر تم ملک شام میں ہو۔ اب تم اتنی تنگی کیوں کرتے ہو؟'' انھوں نے عرض کیا: ''اے امیر المومنین! دنیا تو محض آخرت میں پہنچنے کے لیے زاد ہے، جس کے لیے یہ بھی کافی ہے۔ تو زیادہ کو لے کر کیا کریں گے؟''

ایک مرتبہ خود حضرت عمرؓ سے عرض کیا گیا تھا کہ اب فتوحات میں وسعت ہوگئی ہے۔ آپ اتنی تنگی کیوں فرماتے ہیں؟ انھوں نے فرمایا تھا کہ: ''رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ہمارے بہت سے بھائی اسی فقر کی حالت میں شہید ہوگئے۔ انھوں نے خدا کے راستے میں عمل زیادہ کیا اور دنیا سے فائدہ حاصل نہیں کیا۔ ان کا سارا ثواب آخرت میں ذخیرہ رہا۔ اور ہم لوگوں نے فتوحات حاصل کرکے بہت کچھ مال ودولت حاصل کرلی ہے اور ہماری محنت کا کچھ ثمر یہاں مل گیا ہے۔ اب مجھے اس مال ودولت سے فائدہ حاصل کرتے ہوئے ڈر لگتا ہے کہ قیامت میں کہیں (اللہ جل شانہٗ کی طرف سے) یہ نہ کہہ دیا جائے کہ: ''تم نے دنیا کی زندگی میں مزے اڑا لیے ہیں اور طیبات سے تمتع (عمدہ نعمتوں سے نفع) حاصل کرلیا ہے۔ اب یہاں (تمھارے لیے کچھ نہیں) تم کو عذابِ ذلت کی سزا دی جائے گی۔ اس لیے کہ تم بڑا بننا چاہتے تھے۔'' (القرآن 46:20)

صحابہ کرامؓ کے فقر کے ان واقعات سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ:

1۔ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے پاس جو مال ودولت غنیمت کی شکل میں آتا، وہ اسے اپنے پاس نہ رکھتے، بلکہ غریب لوگوں کو دے دیتے۔

2۔ مشہور حدیث ہے ''کَادَ الْفَقْرُ أَن یَّکُوْنَ کُفْرًا'' (قریب ہے کہ فقر اور غربت کفر تک پہنچا دے۔) اس فقر سے مراد نظامِ ظلم کا قائم کردہ جبری فقر ہے، جو عوام پر عذاب کی شکل میں آتا ہے، جب کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا فقر اختیاری تھا۔

3۔ دورِ حاضر میں ہمارے دینی وسیاسی رہنمایانِ قوم خود تو مال ودولت پر اِتراتے ہیں، لیکن عام عوام کو فقر کے فضائل سناتے ہیں۔ اس سے ہمیں بچنے کی ضرورت ہے۔

محمد کاشف شریف، راولپنڈی

خوش آمدید مہنگائی

ایک پاکستانی شہری سے کسی دوسرے نے کہا کہ پیٹرول مہنگا ہوگیا ہے، تو پاکستانی نے کمال معصومیت سے جواب دیا کہ ہمیں کیا فرق پڑتا ہے؟ ہم پہلے بھی 100 روپے کا پیٹرول ڈلواتے تھے، اب بھی 100 روپے کا ہی ڈلوائیں گے۔ ہمارا مہنگائی کے حوالے سے ادراک اتنا ہی ہے۔ ایک تو عوام کی غالب اکثریت ناخواندہ ہے، اور جو خواندہ ہیں ان کے ہاں ڈگری حاصل کرنا زیادہ اہم ہوتا ہے اور علم حاصل کرنا کم۔ اور کوئی الا ماشاللہ علم حاصل کر بھی لے تو مرعوبیت اُس کا پیچھا نہیں چھوڑتی اور وہ زمینی حقائق کو پس انداز کرکے نہ جانے کون سی دنیا میں نکل جاتا ہے۔ آسان سی بات ہے کہ آج کے دور میں مہنگائی کی سب سے بڑی وجہ ٹیکس ہیں اور اس کے بعد ذخیرہ اندوزی کی بنیاد پر منافع خوری، سود پر قرض اور آخر میں جدید دور کا تحفہ کرنسی کی گراوٹ۔

مہنگائی کا میدان تیار کرلیا گیا ہے۔ یوں تو پہلے بھی اس میدان میں گھوڑے دوڑائے جارہے تھے، لیکن ان کی رفتار نسبتاً کم تھی۔ کیوں کہ عوام اور میڈیا کو منہ جو دکھانا تھا، لیکن اب تو جمہوریت بھی خطرے میں ہے اور عوام کے چہیتے لیڈر کو نااہل بھی کردیا گیا ہے اور حکومت کو کام نہیں کرنے دیا جارہا۔ یہ وہ وقت ہے کہ ایسے حالات پیدا کردیے جائیں کہ آنے والا کوئی بھی ہو، حالات پر کم ازکم پانچ سات سال تک قابو نہ پاسکے۔ چناں چہ ٹیکسز اور کرنسی کی صورت میں مہنگائی میں بہ تدریج اضافہ کیا جارہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ گزشتہ پانچ سالہ جمہوری دور کے دوران اتنے قرضے لیے گئے ہیں اور اتنے نوٹ چھاپے گئے ہیں کہ پیداوار کی کمی اور درآمدات کی زیادتی بالآخر مہنگائی پر منتج ہورہی ہے۔ اسی طرح ٹیکس کی وصولی گزشتہ پانچ سالوں میں تقریباً 300 فی صد تک بڑھ چکی ہے۔ اس کے باوجود امید یہ کی جارہی ہے کہ 09-2008ء کی طرح مندرجہ بالا تمام محرکات مل کر ایک سال کے اندر اندر 20 سے 25 فی صد تک مہنگائی کو بڑھا سکتے ہیں۔

صرف پاکستان اسٹیٹ آئل کے حکومتی واجبات اب 1225 ارب روپے تک جا پہنچے ہیں، جس کی وجہ سے فرنس آئل کی درآمدات رُک گئی ہیں اور اسٹیٹ بنک نے اس تناظر میں حکومتی درخواست ماننے سے انکار کرتے ہوئے ڈالر ادا نہیں کیے۔ یہی وجہ ہے کہ گزشتہ ماہ پورا ملک زبردست لوڈ شیڈنگ کا شکار ہوا اور اس کا سارا ملبہ خراب موسم پر ڈال دیا گیا۔ اور موسم ایک ایسا دشمن ہے، جو ایک طویل عرصے سے پاکستان کی معیشت کا پیچھا کررہا ہے۔ نہ جانے ہماری دعائیں کب قبول ہوں گی اور بارشیں وقت پر ہوں گی اور ہم بروقت ترقی کی منازل طے کرسکیں گے؟ دوسری جانب گردشی قرضے 800 ارب روپے تک جا پہنچے ہیں اور آخر میں بجلی کا ترسیلی نظام پُرانا ہونے کی وجہ سے ناقص ہو چکا اور اب اس میں 18 سے 20 ہزار میگا واٹ بجلی ترسیل کرنے کی گنجائش رہ گئی ہے تو بجلی جتنی مرضی پیدا کرلیں۔ اس سب کے ہوتے ہوئے اب امریکا بہادر نے آئی ایم ایف میں اپنی 70 فی صد ووٹنگ کی طاقت کو گزشتہ چار سالوں کے برعکس پاکستان کی حمایت سے دور کرلیا ہے۔ چناں چہ اب پاکستانیوں کو قربانی دینا ہوگی اور مندرجہ بالا قرضوں کو ادا کرنے کے لیے زیادہ ٹیکس دینا ہوگا۔

www.rahimia.org

عالمی منظرنامہ

مرزا محمد رمضان، راولپنڈی

امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ کی جنوب مشرقی ایشیا میں 13 روزہ 5 ملکی سیر و سیاحت

امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے اپنے 13 روزہ دورے کا آغاز جاپان سے کیا۔ یہاں سے جنوبی کوریا، چین، ویتنام اور 13 نومبر کو فلپائن کے دارالحکومت منیلا میں آسیان کے 31 ویں سالانہ اجلاس میں شرکت کی۔ 5 نومبر 2017 کو ٹوکیو کے ناریٹا بین الاقوامی ایئرپورٹ (Narita International Airport) پر اُترنے کے بعد وہ سیدھا انتہائی پُرتعیش شاہی محل اکاسکا پیلس (Akasaka Palace) پہنچا، جہاں اس کے قیام کا بندوبست تھا۔ یہ محل جاپان کے شہنشاہی دور کی یادگار ہے۔ آج کل یہ محلات سرکاری رہائش گاہ کے طور پر استعمال کیے جاتے ہیں۔

BBC کی 6 نومبر 2017ء کی رپورٹ کے مطابق اس محل میں عالمی میڈیا کے صحافیوں سے گفتگو کرتے ہوئے ٹرمپ نے امریکا میں ہونے والے اہم واقعے پر رائے کا اظہار کرتے ہوئے ٹیکساس میں چرچ کے باہر 26 افراد کے قتل کو دہشت گردی کے بجائے ایک نفسیاتی مریض کا جنونی اقدام قرار دیا۔ مزید گفتگو کرتے ہوئے کہا: ''یہ ایک انتہائی افسوس ناک واقعہ ہے۔'' شمالی کوریا کے بارے میں کہا: ''جنگی حکمتِ عملی سے جغرافیائی سطح پر اشتعال دلانے کے نتیجے میں صبر و تحمل کے مظاہرے کا عرصہ اختتام کو پہنچ چکا ہے۔ جہاں تک شمالی کوریا کے عوام کا تعلق ہے، وہ بہت عظیم ہیں، لیکن وہ ایک انتہائی کٹھن دور سے گزر رہے ہیں۔ بالآخر وہ اس سے چھٹکارا حاصل کرلیں گے۔''

امریکیوں نے ایک ''نیوکلیر ایجوکیشن فاؤنڈیشن'' کے نام سے NGO تشکیل دی ہے، جس کے فورم سے انھوں نے امریکی کانگریس کے نام ایک کھلا خط لکھا ہے، جس میں مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ حالیہ امریکی صدر کا مواخذہ کرکے اسے صدارت کے عہدے سے برطرف کریں۔ کیوں کہ وہ دنیا میں ایٹمی جنگ کی طرف بڑھ رہا ہے، جو کہ امریکا کے لیے بالخصوص اور باقی دنیا کے لیے بالعموم مہلک ترین ثابت ہوسکتا ہے۔

چین کے ساتھ اپنے تجارتی خسارے کا ذکر کرتے ہوئے کہا: ''ہماری تجارت چین کے ساتھ غیر متوازن ہے، جس کی وجہ سے ہمارا تجارتی خسارہ ہر سال سینکڑوں ارب ڈالر کے اضافے سے تباہ کن ہوتا جارہا ہے۔'' CNBC کی یکم نومبر 2017ء کی رپورٹ کے مطابق بارکلے ایشیا فورم کے اجلاس میں خطاب کرتے ہوئے سی ای او و صدر ''نیو امریکا تھنک ٹینک'' اور سابق ڈائریکٹر پالیسی پلاننگ اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ امریکا اینی میری سلاٹر (Anne Marie Slaughter) نے کہا کہ: ''امریکا کے تجارتی خسارے نے امریکا کی عالمی ساکھ کو کمزور کرکے اس کے اتحادیوں کو علاحدہ علاحدہ کردیا ہے۔''

امریکی صدر کا جاپان کے بعد اگلا پڑاؤ جنوبی کوریا تھا۔ شمالی یمن اور جنوبی کوریا وغیرہ کی تشکیل سرد جنگ کے دور کی حکمتِ عملی کے شاخسانے ہیں۔ کوریا، یمن اور جرمنی کو تقسیم کرکے خطے میں ترقی پسندانہ سوچ کے بڑھتے ہوئے اثرات کو روکنے کی سرمایہ دارانہ سماج کی حکمتِ عملی تھی، جو آج کل الٹ پلٹ ہوتی جارہی ہے۔

آج دنیا میں لگائی گئی آگ کا جب امریکا خود ایندھن بننے جارہا ہے تو اسے دہشت گردی اور بیمار ذہنیت کے درمیان فرق واضح ہونا شروع ہوگیا۔ اپنے ملک میں ہونے والے اس واقعے کو دہشت گردی سے منسوب کرتا ہے تو اس کے اپنے ملک کے سیکیورٹی اداروں پر سوالیہ نشان قائم ہوتا ہے۔ دوسری صورت میں اسے محض بیمار ذہنیت کا جنونی اقدام قرار دے کر اسے ایک اتفاقی حادثے سے منسوب کرتا ہے تو یہ پہلو بذاتِ خود اس کے قومی نظام کے اضمحلال کا مظہر دکھائی دیتا ہے۔ شامی نیوز ایجنسی ثنا کو انٹرویو دیتے ہوئے 5 نومبر کو الجیریا کے وزیراعظم نے کہا کہ: ''امریکا عراق، شام، لیبیا اور یمن کے خطوں کو تباہ و برباد کرنے کے لیے 120 ارب ڈالر خرچ کرچکا ہے۔'' چند سرمایہ داروں کی رعونت زدہ ذہنیت کو تسکین دینے کے لیے افغانستان کی سرزمین کو ''تورا بورا'' بنانے کے لیے امریکی عوام کے کھربوں ڈالر اس آگ میں جھونک ڈالے۔ امریکا کی چند اسلحہ ساز کمپنیاں اگرچہ کھربوں ڈالر کے اثاثوں کی مالک تو بن گئیں، لیکن امریکی عوام کو مستقل معاشی بحران اور بے روزگاری جیسے مہلک امراض میں مبتلا کردیا گیا۔

سامراجی طاقتوں نے دنیا میں جس طرح اکھاڑ پچھاڑ کیا ہے، اس سے عدمِ تحفظ کا احساس بڑھنا انسانیت کا فطرتی تقاضا ہے۔ حال آں کہ عالمی ادارے کے قیام سے اقوام کے اندر احساسِ تحفظ کو فروغ ملنا چاہیے تھا۔ چھوٹی چھوٹی قوموں کے اندر قومی تعصب اور خودمختاری کا احساس بڑھنے کے بجائے خوف و ہراس کی دلدل پھیلتی چلی جارہی ہے۔ شمالی کوریا ایک چھوٹا سا ملک ہے، لیکن اس نے اپنی حفاظت کے لیے دفاعی ٹیکنالوجی حاصل کی ہے۔ کیوں کہ وہ عراق، شام، یمن اور لیبیا کا حشر اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ چکا ہے۔ اس کے بعد تو ہر چھوٹے ملک کے لیے ایسی ٹیکنالوجی کا حصول ناگزیر ہوتا جارہا ہے۔ امریکا نے ایٹمی ہتھیاروں کے وجود کا بہانہ بنا کر عراق کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ کیوں کہ اس کی ایجنسیاں اسے مطلع کرچکی تھیں کہ عراق کے پاس مہلک ہتھیار نہیں ہیں۔ اور آخر میں اعترافِ جرم کرتے ہوئے برطانوی وزیراعظم سے محض ''سوری'' کی جگالی کروا کر اپنے آپ کو خود ہی بری الذمہ قرار دے لیا۔ حال آں کہ یہ جنگی جرائم کا مقدمہ تھا، جسے عالمی عدالتِ انصاف میں لے جاکر مجرمین کو قرار واقعی سزا ملنی چاہیے تھی۔ آج جب شمالی کوریا ہائیڈروجن بم کا مظاہرہ کرچکا ہے تو وہ اس کے خلاف محض قراردادیں اور چین و روس سے تعاون کی درخواستیں کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے، جب کہ جن ملکوں کے پاس یہ سب کچھ نہیں ہے تو ان کے خلاف رویہ یکسر مختلف ہوتا ہے۔

امریکا کے دنیا کے ساتھ معیارات مختلف ہیں۔ اپنی کمزوریوں کو چھپانے اور اس کی سنگینی کو غیر مؤثر قرار دینے کے لیے ادبی اصطلاحیں استعمال کی جاتی ہیں، جب کہ مختلف نقطہ نظر رکھنے والوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جاتا ہے۔ اگر امریکا نے اپنے پیش رو کے انجام سے کچھ سیکھا ہوتا تو شاید اس کی بالادستی چند دن مزید قائم رہتی، لیکن ایسا نہیں ہے۔

www.rahimia.org

رپورٹ: نفیس مبارک ہمدانی، لاہور

کُل انسانیت کے لیے رحمت للعالمین ﷺ

2؍دسمبر 2016ء/۲؍ربیع الاوّل ۱۴۳۸ھ کو حضرت اقدس مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے ادارہ رحیمیہ لاہور میں خطبہ جمعہ دیتے ہوئے فرمایا:

''امامِ انسانیت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی برپا کی ہوئی تحریکِ حنیفیت انسانیت کی دُنیوی اور اُخروی کامیابی کے لیے مسلسل ترقی کرتے ہوئے امام الانبیا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تک پہنچی۔ یہ پورا دورِ ابراہیمی دور کہلاتا ہے۔ حضور اقدسؐ، حضرت ابراہیمؑ کی اس عالم گیر انسانی تحریک کا بین الاقوامی نظام قائم کرنے پر مامور ہوئے۔ آپؐ کی بعثت انسانیت کو ایک بین الاقوامی نظام میں مربوط کرنے اور کل انسانیت کے مسائل حل کرنے کے لیے ہوئی ہے۔ اس لیے جیسے حضرت ابراہیمؑ امامِ انسانیت ہیں، ایسے ہی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں۔ آپؐ تمام کائنات کے اندر بسنے والی تمام تر مخلوقات بالخصوص انسانی معاشروں کے لیے رحمت ہیں۔ انسانیت کی ترقی کے بنیادی امور سمجھے بغیر حضور اقدسؐ کی رحمت للعالمین ہونے کی حیثیت درست تناظر میں نہیں سمجھی جاسکتی۔ انسانیت کی ترقی کے مختلف مراحل ہیں۔ ایک مرحلہ انسانی فرد کی شخصی تعمیر و تشکیل سے تعلق رکھتا ہے۔ دوسرا مرحلہ خاندانی نظام اور تنظیمی یا اجتماعی زندگی کے ابتدائی مرحلے سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کی تکمیل حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت ابراہیمؑ سے پہلے تک آنے والے انبیاؑ کے ذریعے سے ہوتی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کے بعد انسانیت ترقی کے اگلے مرحلے میں داخل ہوئی۔ وہ انسانیت کا قومی اور بین الاقوامی دور تھا۔ جس کا ایک مظہر حضرت یوسفؑ کا قومی انقلاب ہے کہ انھوں نے اپنی قوم کو دیہاتی زندگی سے نکال کر شہری زندگی اور ایک قومی نظام میں مربوط کر دیا۔ حضرت ابراہیمؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک حضرات انبیاؑ نے اقوامِ عالم کے قومی نظاموں کے معیار اور نمونے انسانیت کے سامنے پیش کیے۔ یہ ابراہیمی تحریک کا پہلا فیز ہے۔

جب انسانیت قومی مراحل طے کر چکی تو اب کل انسانیت کا بین الاقوامی نظام قائم کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ اُس کے لیے حضور اقدسؐ دنیا میں تشریف لائے۔ پہلے تین پہلوؤں یعنی شخصی تعمیر و تشکیل، خاندانی اور جماعتی نظام، قومی اور علاقائی نظام کے تمام بنیادی اساسی اصول وہی ہیں، جو گزشتہ انبیاؑ کے ہیں۔ ان میں نبی اکرمؐ نے کوئی نیا اصول متعارف نہیں کرایا۔ ہاں! یہ ضرور ہوا کہ ان اصولوں کی بہترین عملی شکل کو حضور اقدسؐ نے زیادہ بہتر حکمتِ عملی کے ساتھ انسانیت کے سامنے رکھا ہے۔ ورنہ بنیادی اصول اور ضابطوں میں کوئی اختلاف نہیں۔ حضورؐ کی وہ خصوصیت، جس کی وجہ سے آپؐ کو رحمۃ للعالمین کہا گیا، وہ کل عالم انسانیت کے لیے بین الاقوامی نظام کے اصول، ضابطے، حکمتِ عملی، طریقۂ کار، منہج اور عملی نظام بنانا ہے۔ اس پہلو سے دنیا کا کوئی نبی حضور اقدسؐ کے ساتھ شریک نہیں ہے۔''

حضور ﷺ کی پانچ امتیازی خصوصیات

حضرت آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

''بخاری شریف میں حدیث آتی ہے کہ جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پانچ امتیازی خصوصیات کا ذکر فرمایا ہے۔ حضورؐ نے ایک بات یہ بیان فرمائی کہ: ''مجھے تمام انسانیت کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہے۔ جب کہ مجھ سے پہلے کے انبیاؑ ایک مخصوص قوم کی طرف مبعوث کیے گئے۔'' دوسری یہ کہ: ''مجھے ایک مہینے کی مسافت سے دشمن پر رعب عطا کیا گیا ہے۔'' تیسری یہ کہ: ''میرے لیے تمام زمین سجدہ گاہ اور پاکیزہ بنا دی گئی ہے۔'' چوتھی یہ کہ: ''مالِ غنیمت میرے لیے حلال کر دیا گیا ہے، جب کہ مجھ سے پہلے کسی اَور کے لیے حلال نہیں تھا۔'' پانچویں یہ کہ: ''مجھے قیامت میں انسانیت کی شفاعت عطا کی گئی۔'' (متفق علیہ)

حضورؐ کے ذریعے چوں کہ کل انسانیت کے لیے ایک بین الاقوامی نظام قائم کرنا مقصود ہے تو اس کے لیے ایک اتھارٹی کی ضرورت ہے۔ اس لیے ایک خصوصیت حضورؐ نے یہ بیان فرمائی کہ مجھے دیگر انبیاؑ کے مقابلے پر ایک مخصوص رُعب عطا کیا گیا، جو بہت دور تک انسانوں کی روحوں پر اثر انداز ہوتا ہے۔ آپؐ کا روحانی فیض، رعب اور دبدبہ، آپؐ کی اتھارٹی اور حکمرانی پاکیزہ روحوں کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ یہی وہ اتھارٹی اور رعب تھا، جس کو قرآن نے دوسری جگہ پر کہا: ''دشمنوں پر آپ کا رعب پیدا ہو جاتا ہے۔''

حضور اقدسؐ کے ساتھ محبت رکھنے والوں کو جتنا حضورؐ سے شفقت اور محبت کا تعلق تھا، اتنا ہی اُن پر رعب کا عالم تھا۔ جو صحابہؓ جتنا اونچے درجے میں حضورؐ کا مقام سمجھتے تھے، اتنا ہی اُن پر حضورؐ کا اعلیٰ درجے کا رُعب ہوتا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ ہر وقت حضورؐ کے رعب سے دبے رہتے تھے۔ عام انسانیت کے لیے شفقت، لیکن خاص لوگ، مقربین جنھیں کہا گیا، وہ آزمائش میں ہیں۔ انھیں مقامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم ہے۔ وہ آپؐ کے رعب، دبدبے اور ان کی اتھارٹی کو تسلیم کرنے میں صدیقیت اور فاروقیت کے مقام پر فائز ہیں۔

ہمارے ہاں عام طور پر رحمت للعالمین کے حوالے سے کی جانے والی گفتگو کا تعلق محض محبت، رحمت اور شفقت کے ساتھ ہوتا ہے۔ آپؐ کے رعب اور اتھارٹی کا تذکرہ نہیں کیا جاتا۔ رحمت انسانیت کے فائدے کے لیے ہوتی ہے، لیکن انسانیت کے فائدے کا نظام قائم کرنے کے لیے ایک طاقت و قوت، رعب اور دبدبے کی ضرورت ہے۔ حضور اقدسؐ کی ذاتِ گرامی میں یہ رعب بھی اعلیٰ درجے میں تھا۔ میلوں دور سے حضورؐ کا ذکر آتے ہی دشمن پر رعب پیدا ہو جاتا تھا۔ یہی وہ رعب ہے جو دراصل اقوامِ عالم کے اندر ایک بین الاقوامیت پیدا کرتا ہے۔ شفقت عام انسانیت کے لیے ہے، لیکن نظام کے قیام کے لیے جو تنظیم اور اتھارٹی کی ضرورت ہے، اس کے بغیر دنیا میں کوئی ڈسپلن قائم نہیں ہوتا۔ اگر ڈسپلن قائم کرنے والے کا رعب نہیں ہے اور اس کی اتھارٹی کو تسلیم نہیں کیا جا رہا تو ڈسپلن کیسے ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حضورؐ کی اتباع میں قبول فرمائے۔''

www.rahimia.org

جماعتِ صحابہؓ کا مقام

حضرت آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے خطبہ جمعہ دیتے ہوئے مزید فرمایا:

''محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کل انسانیت کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ وہ کل انسانیت کا ایک بین الاقوامی نظام قائم کرنا چاہتے ہیں۔ یہ تبھی قائم ہوگا، جب بین الاقوامی سسٹم قائم ہو اور بین الاقوامی نظام چلانے والی تنظیم پیدا ہو۔ اس اتھارٹی کو مانا جائے۔ اسی کو حضور ﷺ نے فرمایا: ''**اللّٰہ اللّٰہ فی أصحابی، لا تتّخذوھم من بعدی غرضاً.**'' (خبردار! میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو! میرے دنیا سے جانے کے بعد اس جماعت کی توہین نہ کرنا۔)**غرضاً** اس کو کہتے ہیں جہاں ہدف اور نشان لگا کر تیر اندازی کی جاتی ہے۔ جس کو نشانے لگا کر تنقید کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ اس لیے فرمایا کہ صحابہؓ کو نشانہ مت بناؤ۔ یہ حضورؐ کی تربیت یافتہ جماعت ہے، جس نے نظم ونسق قائم کیا ہے۔ جو اجتماعیت قائم کرنے کی ذمہ دار بنائی گئی۔ اس کی توہین کرنے سے ڈرو۔ اس کا ایک رعب ہے۔ اس کی ایک اتھارٹی ہے۔ صحابہؓ کی اس اجتماعیت کو ماننا ہے۔ ان کی تنظیمی قوت کو تسلیم کرنا ہے۔ جو اس اتھارٹی کو نہیں مانتا اور کہتا ہے کہ میں رسول کا عاشق ہوں، اس لیے کہ حضورؐ ہر کسی کے لیے رحمت للعالمین ہیں، مجھے تو صحابہ کرامؓ کی عظمت کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ مجھے تو اس ڈسپلن کو نہیں ماننا جو حضور نے قائم کیا۔ تو نہ وہ حضورؐ کا عاشق ہے، اور نہ وہ رحمت للعالمین کا صحیح مفہوم سمجھتا ہے۔ آپؐ کی رحمت ماننے کے لیے اس ڈسپلن کو ماننا ضروری ہے۔

بڑے زوردار طریقے سے حضورؐ نے فرمایا: ''**فمن أحبّھم فبحبّی أحبّھم و من أبغضھم فببغضی أبغضھم.**'' (یاد رکھو! جس نے اس جماعت سے محبت رکھی، اس نے مجھ سے محبت رکھی۔ اور جس نے اس میری جماعت سے بغض رکھا، اُس نے مجھ سے بغض رکھا۔) یہ جو بین الاقوامی نظام قائم کرنے والی جماعتِ صحابہؓ کی تنظیم اور اجتماعیت ہے، اُن کے قائم کردہ سسٹم کے تقاضے اور تنظیمی عمل ہے۔ یہ آج ہمارے ذہنوں سے محو ہوگیا۔ صرف ایک لفظ پکڑ لیا رحمت للعالمین، لیکن اس لفظ کا جو وسیع تر مفہوم، جس کے نتیجے میں حضورؐ کی بین الاقوامی زندگی نمونہ اور اُسوہ بنی، وہ ہمارے سامنے نہیں ہے۔ اس جماعت کی اجتماعیت اور تنظیمی طاقت قائم کرنے کو اسوۂ حسنہ نہیں سمجھا جاتا۔

آپ ہی بتلائیے کہ ڈسپلن کے بغیر ایک طالب علم یونیورسٹی میں اپنے شعبے کی تعلیم و تربیت حاصل نہیں کرسکتا، انجینئرنگ اور میڈیکل سائنسز کا ڈسپلن نہیں مانتا، فزکس اور کیمسٹری کے شعبے کا ڈسپلن نہیں مانتا، تو تعلیم کیسے حاصل کرے گا؟ اب کہا جائے کہ جی ڈاکٹر تو تمام انسانوں کی خدمت کے لیے مامور کیا گیا ہے، کالے گورے، مشرقی مغربی، بغیر کسی تفریق رنگ، نسل، مذہب تمام انسانوں کی تو اس کا کیا مطلب ہے کہ اس ڈسپلن کی پابندی نہ کی جائے؟ نہیں! تعلیم وتربیت اس ڈسپلن کو ماننے سے ہے۔ ایسے ہی حضور اقدسؐ نے جو بین الاقوامی نظام قائم کرنے کے لیے ڈسپلن قائم کیا ہے، اس کو ماننا ہوگا۔''

بچوں کا کالم

خواجہ عبدالحئی فاروقیؒ (تلمیذِ خاص مولانا عبیداللہ سندھیؒ)

ماں باپ

دنیا میں سب سے بڑی نعمت انسان کے لیے اُس کے والدین ہیں، جن کا ادب کرنا ہمارا سب سے بڑا فرض ہے۔ وہ لوگ کس قدر بدقسمت ہیں، جن کے ماں باپ زندہ ہوں اور وہ جنت میں جانے کا سامان تیار نہ کریں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرتے رہو۔ اگر ان میں سے ایک یا دونوں تمھارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو اُن کو اُف تک نہ کہنا اور نہ انھیں جھڑکنا۔ اور ان سے بات ادب کے ساتھ کرنا۔ اور عاجزی سے ان کے آگے جھکے رہو۔ اور ان کے لیے دعا کرو کہ اے ربّ! جیسا انھوں نے مجھے بچپن میں پالا ہے، تو بھی ان پر رحم فرما۔'' (23:15، 24)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بڑے گناہ گن رہے تھے تو آپؐ نے فرمایا:

''بڑے بڑے گناہ یہ ہیں: اللہ کے ساتھ شریک کرنا اور والدین کی نافرمانی۔''

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دس باتوں کی وصیت کی۔ ان میں سے دوسری بات یہ تھی:

''اور تُو اپنے ماں باپ کی نافرمانی نہ کر، اگرچہ وہ تمھیں حکم دیں کہ تم اپنے اہل وعیال اور مال ودولت سے الگ ہو جاؤ۔''

ایک دفعہ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا: میرے پاس دولت ہے اور میرا باپ غریب ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

''تم اور تمھاری دولت دونوں تمھارے باپ کے ہیں۔''

مروان اکثر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو اپنا خلیفہ اور نائب بنا دیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ ایک جگہ ٹھہرے ہوئے تھے اور اُن کی والدہ پاس ہی دوسرے خیمے میں تھیں تو جب یہ اپنے خیمے سے نکلتے اور اس میں داخل ہوتے تو دونوں وقت اپنی والدہ کو سلام کہتے۔ ان کی والدہ جب تک زندہ رہیں، انھوں نے اُن کے بغیر حج کرنا پسند نہیں کیا۔

ایک مرتبہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے دو آدمیوں کو دیکھا تو ایک سے پوچھا:

''یہ تمھارا کون ہے؟''

اس نے جواب دیا: میرے ماں باپ ہیں۔

آپؓ نے فرمایا:

''ان کا نام لے کر نہ پکارو۔ ان کے آگے نہ چلو اور ان سے پہلے نہ بیٹھو۔''

www.rahimia.org

وسیم اعجاز، کراچی

مظہرِ یزداں مولانا احمد سعید مجددی دہلویؒ

مولانا احمد سعید مجددی دہلویؒ کا شمار تیرہویں صدی ہجری کے نامور مشائخ میں ہوتا ہے۔ ان کی پیدائش ربیع الاوّل 1217ھ/ 31 رجولائی 1802ء میں ہندوستان کے مردم خیز علاقے رام پور میں ہوئی۔ وہ مولانا ابوسعید مجددیؒ کے بیٹے اور حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ کی اولاد میں سے تھے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے اس نسب کی بدولت ہی دین اسلام کے احیا میں ان کی زندگی گزری۔

ابتدائی تعلیم اپنے والدِ گرامی اور معروف عالم دین مولانا سراج احمد رام پوریؒ سے حاصل کی۔ کچھ وقت لکھنؤ میں گزارنے کے بعد ہندوستان کے دارالحکومت دہلی کا سفر فرمایا۔ وہاں مولانا فضلِ امام خیرآبادیؒ اور مولانا رشیدالدین دہلویؒ سے خوب استفادہ کیا۔ 10 سال کی عمر میں ہی شاہ غلام علی دہلویؒ (جانشین حضرت مرزا مظہر جانِ جاناںؒ) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اخذِ فیض کیا۔ ان دنوں پورے ہندوستان میں مدرسہ رحیمیہ دہلی درس و تدریس کے حوالے سے بہت زیادہ معتبر مانا جاتا تھا۔ مولاناؒ نے حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے فرزندانِ گرامی؛ حضرت شاہ عبدالقادر دہلویؒ، حضرت شاہ رفیع الدین دہلویؒ اور حضرت امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ سے بھی تعلیم حاصل کی اور حدیث کی سند حاصل کی۔ حضرت شاہ محمد اسحاق دہلویؒ سے بھی حدیث پڑھی۔ اسی دوران ولی اللّٰہی علوم و افکار پر عبور حاصل کیا۔ 1835ء میں اپنے والدِ گرامی کی وفات کے بعد اُن کے جانشین اور خانقاہِ مجددیہ مظہریہ کے مسند نشین قرار پائے۔

مولانا موصوف کو اللہ تعالیٰ نے بے حد تکریم سے نوازا تھا۔ عوام و خواص میں بے حد مقبولیت حاصل کی۔ لوگوں کی کثیر تعداد ان کی خدمت میں حاضر رہتی تھی۔ 1857ء کی جنگِ آزادی کے وقت ان کا سلسلۂ رُشد و ہدایت دور دور تک پھیل چکا تھا۔ ہندوستان میں آزادی کی ایک زبردست تحریک کا آغاز ہو چکا تھا۔ یوں تو پورے ہندوستان میں تحریکِ آزادی کا ماحول تھا۔ ہر جانب سے آزادی کے متوالے وطنِ عزیز کی آزادی کے لیے جان کی بازی لگا رہے تھے، لیکن دہلی خاص طور پر مرکز کی حیثیت سے نمایاں تھا۔

جنرل بخت خاں آزادی کے متوالوں کی فوج لے کر جب دہلی پہنچا تو دہلی کے معروف علمائے کرام کو جامع مسجد دہلی میں بلایا گیا اور آزادی کے حصول کے لیے انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ مرتب کرایا۔ یہ فتویٰ اس زمانے کے اخبارات میں بھی شائع ہوا۔ اس فتوے پر 34 علمائے کرام نے دستخط کیے تھے، جن میں مولانا شاہ احمد سعید مجددیؒ اور ان کے چھوٹے بھائی حضرت مولانا شاہ عبدالغنی مجددیؒ بھی شامل تھے۔

علمائے کرام کے اس فتوے کے اجرا کے بعد جنگِ آزادی کی تحریک میں بہت تیزی آ گئی۔ شاہ احمد سعید مجددیؒ نے بھی اس سلسلے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ دہلی شہر کے لوگوں کو جہاد پر آمادہ کرنے میں موصوف پیش پیش تھے۔ سب سے پہلے جہاد کا چرچا کرنے والوں میں سے تھے۔ ان کا شمار جہادِ آزادی کے بانیوں میں ہوتا ہے۔ اپنے متعلقین کو اس میں حصہ لینے کی نصیحت فرماتے تھے۔ اس دور کے انقلاب انگیز دور کے مشکل حالات میں اس طرح کا فیصلہ کرنا نہایت دلیری کا کام تھا۔ ایسے حالات میں انھوں نے انقلابیوں کی رہنمائی فرمائی۔ جنگِ آزادی کے ہنگاموں میں بہت مشکل وقت گزارا۔ آزادی کے حصول کے اسی مؤقف کی پاداش میں سقوطِ دہلی اور انگریزی فوج کے حالات پر قابو پانے کے بعد انگریز مولانا احمد سعید مجددیؒ اور ان کے خاندان کو گرفتار کرنے اور سخت سزا دینے کی تدابیر سوچنے لگے، لیکن اس میں کامیاب نہ ہو سکے۔ 1857ء کے اس معرکے کے بعد جب حالات میں کچھ تبدیلی آئی تو معاملہ ختم ہو گیا۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی قومی حکومت کے خاتمے کے بعد یہاں کے رہنماؤں اور حریت پسند علما نے مسلمانوں کی بین الاقوامی حکومت خلافتِ عثمانیہ کی مدد سے ہندوستان کی آزادی کی کوششیں شروع کیں۔ اس حوالے سے آزادی پسند علما نے حرمین شریفین کو اپنا مرکز بنایا۔ جیسے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ مکہ مکرمہ میں قیام پذیر ہوئے، اسی طرح ولی اللّٰہی جماعت کے اہم فرد حضرت مولانا احمد سعید مجددیؒ نے مدینہ منورہ کو اپنا مرکز بنایا۔ چناں چہ خانقاہِ مجددیہ مظہریہ پر انگریزوں کی یلغار کی منصوبہ بندی معلوم ہوتے ہی انھوں نے ہجرتِ مدینہ کا فیصلہ کر لیا۔ وہ ستمبر 1857ء کو اہل خانہ اور مریدین کے ہمراہ دہلی سے روانہ ہو کر لاہور پہنچے اور پنجاب کے مختلف علاقوں کے سفر کے دوران حق کے طالبوں کو فیض یاب کرتے رہے۔ جہاں جہاں سے بھی مولاناؒ کا گزر ہوتا تھا، لوگ جوق در جوق ان کی زیارت اور ان سے اخذِ فیض کے لیے حاضر ہوتے تھے۔ ڈیرہ اسماعیل خاں میں موسیٰ زئی شریف اپنے خلیفہ حاجی دوست محمد قندھاریؒ کے پاس تشریف لائے اور کچھ عرصہ وہاں قیام کر کے کراچی اور پھر بمبئی کے راستے حجازِ مقدس تشریف لے گئے اور ہندوستان میں حاجی دوست محمد قندھاریؒ کو اپنا جانشین مقرر کیا۔

جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہاں پر بھی رُشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا۔ والیٔ مدینہ خالد پاشا ان سے متاثر ہو کر حلقۂ ارادت میں داخل ہو گیا۔ مدینہ منورہ کے شہریوں نے سلطان قسطنطنیہ کو لکھا کہ شاہ احمد سعید مجددیؒ مسجدِ نبویؐ میں دینی معاملات اور فہم و شعور کے حوالے سے ہماری رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں، ان کے ساتھ پورا تعاون کیا جائے۔ چناں چہ خلافت کی جانب سے ان کے کام کے لیے ماہانہ وظیفے کا انتظام کیا گیا۔

مولانا ممدوح کو آخر عمر میں دردِ سر اور بخار کی شکایت رہنے لگی۔ یہی عارضہ جان لیوا ثابت ہوا۔ مولاناؒ نے منگل کے روز نمازِ ظہر کے بعد 2 ربیع الاوّل 1277ھ/ 18 ستمبر 1860ء کو مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ مدینہ منوہ میں داخل ہوتے وقت مولاناؒ نے وصیت فرمائی تھی کہ: ”مجھے حضرت عثمان غنیؓ کے مزار کے قریب دفن کرنا۔ یہاں برکات اور انوارات کا ظہور زیادہ ہے۔“ چناں چہ جنت البقیع میں امیر المومنین حضرت عثمان غنیؓ کے مرقد کے قریب دفن کیے گئے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اکابرینِ مجددیہ ولی اللّٰہیہ کا فیضان نصیب فرمائے۔ آمین!

www.rahimia.org

رپورٹ: قیصر عباس، فیصل آباد

دین اسلام میں صحیح تجارتی نظام کی اہمیت

(حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ کا درج ذیل اہم خطاب مؤرخہ 12 نومبر 2017ء کو سلسلۂ عالیہ رحیمیہ رائے پور کے متوسل جناب شیخ عمر فاروق کے اتفاق پلازہ فیصل آباد کے افتتاح کے موقع پر ہوا۔ جو نذرِ قارئین ہے۔ مدیر)

خطبہ مسنونہ کے بعد فرمایا: دینِ اسلام جہاں ہمیں عبادات کا درس دیتا ہے، وہیں معاشی نقطہ نظر سے ہماری رہنمائی بھی کرتا ہے۔ دینِ اسلام ایک مکمل نظام ہے۔ اور اس مکمل نظام میں خدا پرستی کے حوالے سے جہاں بنیادی ہدایات ہیں، وہیں انسان دوستی کے حوالے سے بھی قرآن حکیم نے ہمیں ہدایات دی ہیں۔ اللہ کے تعلق سے انسانوں کے کام آنا دراصل مسلمان کی شناخت ہے۔ دینِ اسلام کا دنیا اور آخرت میں کامیابی کا نظریہ انسانوں کے فائدے کے لیے امور سرانجام دینا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جب دنیا میں بعثت ہوئی تو جہاں انسانیت کفر اور شرک میں مبتلا تھی، وہیں انسانیت میں ظلم کا نظام بھی تھا۔ ایک انسان دوسرے انسان پر ظلم کرتا تھا۔ حقوق توڑتا تھا۔ کم تولنے اور کم ناپنے کا رواج تھا۔ معاشی بدحالی تھی۔ عرب معاشرہ ذلت و رسوائی کی حالت میں تھا۔ نبی اکرمؐ نے آ کر جو انسانی معاشرے میں تبدیلی پیدا کی، وہ یہ تھی کہ ایک طرف تو انسانی دلوں کو کھینچ کر اللہ سے جوڑا۔ شرک اور کفر کو ختم کیا۔ انسانوں کے دلوں میں اللہ کی محبت اور عظمت پیدا کی۔ پھر اللہ کے تعلق سے انسانوں کے کام آنے کا ایک باقاعدہ سماجی، سیاسی اور معاشی نظام بنایا۔

معاشی نظام دراصل سوسائٹی کی ترقی کے لیے بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ حضورؐ سے پہلے ہی مکہ تجارت کا مرکز تھا، لیکن تجارتی اصول ضابطے ایسے تھے جو دھوکا دہی اور فراڈ پر مبنی تھے۔ سرمایہ پرستی کا عنصر اس میں غالب تھا۔ اس کے نتیجے میں مکہ کی تجارت ترقی نہیں کر رہی تھی۔ حضورؐ نے تجارت کی ترقی کے اصول اور ضابطے متعین کیے۔ جہاں ان مظلوم انسانوں کو اللہ کے ساتھ تعلق قائم کرنے اور عبادات کا خوگر بنایا، وہیں غربت اور افلاس سے نکلنے اور تجارت کو بین الاقوامی سطح تک لے جانے کے طریقے، قاعدے اور ضابطے بتلائے۔ ابوجہل نے ابو طالب سے یہ شکایت کی تھی کہ یہ آپ کا بھتیجا ہم تاجروں اور حکمرانوں کے راستے کی رکاوٹ بن رہا ہے۔ اس سے کہو کہ یہ ہماری مخالفت نہ کرے تو حضورؐ نے فرمایا تھا کہ یہ مکہ کے حکمران صرف مکے کی ریاست اور تجارت پر خوش ہیں، جو بہت چھوٹی ہے۔ میں تو ان کو دنیا کا حکمران اور تجارت کی دنیا میں اس کو اعلیٰ درجے کا مرکز بنانا چاہتا ہوں۔

تجارت اگر قاعدے اور ضابطے کے مطابق نہ ہو تو وہ ترقی نہیں کرتی۔ دھوکا دہی اور فراڈ سے کبھی کاروبار نہیں ہوتا۔ کاروبار کا اصول ہوتا ہے اعتماد۔ اگر زبان پر اعتماد نہیں تو تحریری معاہدے کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ مکہ کے تاجر اعتماد کو چھوڑ کر جھوٹ، فراڈ اور دھوکا دہی کا کام کرتے تھے۔ تو حضورؐ نے ان کے اس پورے عمل کو چیلنج کیا۔

حضورؐ جب مدینہ منورہ میں گئے تو مدینہ زرعی معیشت کا علاقہ تھا۔ وہاں تجارت کی کوئی سوچ نہیں تھی۔ آپؐ نے جا کر "یثرب" کو "مدینہ" بنایا۔ مدینہ ایک شہر اور ریاست کو کہتے ہیں۔ یثرب کو ایک شہر بنایا اور شہر بغیر تجارت اور صنعت کے ترقی نہیں کرتا۔ آپؐ نے جا کر مدینہ منورہ کی جب ریاست تشکیل دی تو تجارت کے اصول اور ضابطے بتلائے۔ کاروبار کو ترقی دینے کے طریقے بتلائے۔ مدینے والے محض فرسودہ طریقے کے مطابق چیزیں پیدا کرتے تھے اور مارکیٹ میں اونے پونے داموں بیچ کر گزارا کر لیا کرتے تھے۔ حضورؐ کے ساتھ قریش کے ایک سو کے قریب مہاجرین جو وہاں پہنچے تھے، انھوں نے مدینہ والوں کو تجارت کے گُر اور طریقے سکھائے۔

حضورؐ نے سب سے پہلے تو زرعی پیداوار بڑھانے کے صحیح اصول واضح کیے۔ زرعی پروڈکٹ پالش کر کے صحیح طریقے سے مارکیٹ میں نہ بیچی جائے تو اس کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔ اس لیے گھر گھر وہی کھجور جو مدینے کی پیداوار تھی، اس کی پیوند کاری اور کاشت کے صحیح طریقے بیان کیے۔ پھر اس کی تجارت کے طریقے بیان کیے۔ پھر اس کو سنبھالنے اور محفوظ کرنے کے طریقے واضح کیے۔ پورا تولنے، پورا ناپنے، اعتماد پر پورا اترنے، امانت اور سچائی کو بنیاد بنانے کی اساس پر پورا تجارتی نظام نبی اکرمؐ نے وضع کیا۔

خطبے میں جو حدیث "التّاجر الصّدوق الأمين مع النّبيّين و الصّديقين و الشّهداء." (ترمذی) تلاوت کی ہے، اس میں نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ: "ایسا تاجر جو سچا اور امانت دار ہے، ذمہ داری اور اعتماد پر پورا اترتا ہے، سچائی کو کسی بھی حال میں اپنے ہاتھ سے نہیں چھوڑتا، وہ انبیا، صدیقین اور شہدا کے ساتھ جنت میں داخل ہوگا۔" ایسے تاجر کو جنت میں داخلے کی خوش خبری دی ہے، جو کاروبار میں کسی کو دھوکا نہ دے۔ کوئی بداعتمادی پیدا نہ کرے۔ دوسروں کے حقوق نہ توڑے۔ پورا تولے اور پورا ناپے۔

ہم سب لوگ امامِ اعظم امام ابوحنیفہؒ کی فقہ پر عمل کرتے ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ ایک تاجر تھے۔ ریشم کے کپڑے کا کاروبار کرتے تھے۔ ان کے ملازمین کا ایک بہت بڑا نیٹ ورک تھا، جو بغداد میں پورے کاروبار کو کنٹرول کرتا تھا۔ ان کے ملازمین نے ایک عیب والے کپڑے کا تھان کسی باہر سے آنے والے تاجر کو بے دہانی میں فروخت کر دیا۔ امام ابوحنیفہؒ کو معلوم ہوا تو انھوں نے اسی وقت سواری تیار کی اور اس تاجر کے قافلے کے پیچھے چل پڑے۔ اس کو تلاش کیا اور اس کو کہا کہ یہ جو تھان تم نے لیا ہے، اس میں یہ عیب تھا اور اس کا ریٹ یہ نہیں تھا، یہ ہے۔ اب آپ یا تو یہ تھان واپس کر کے اپنے پیسے لے لو یا جو اس کے زائد پیسے بنتے ہیں، وہ لے لو۔ اب ہم امام ابوحنیفہؒ کی فقہ پر عمل کے دعوے دار ہیں، لیکن ان کے کاروباری اصولوں کو پیش نظر نہیں رکھتے۔

دنیا کا کوئی ملک اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتا جب تک اس ملک کی معیشت مضبوط نہ ہو۔ معیشت مضبوط ہونے کے لیے اس کے تینوں شعبے زراعت، صنعت و تجارت ترقی یافتہ ہونے چاہئیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آ کر یہی انقلاب برپا کیا۔ یہی وجہ ہے کہ مدینہ والے معاشی ترقی کی وجہ سے خوش حال ہوئے۔ ہمیں بتایا جاتا ہے کہ مسلمان صرف مالِ غنیمت حاصل کر کے خوش حال ہوئے تھے۔ حال آں کہ بحرین سے

www.rahimia.org

آنے والا مالِ غنیمت تو حضورؐ کے دنیا سے تشریف لے جانے سے چند ماہ پہلے آیا تھا۔ ورنہ اس سے پہلے مدینہ والوں کی اپنی محنت مشقت اور ان کی تجارت، کاروبار کے نتیجے میں ان کی معیشت مضبوط تھی۔ وہ دس سالہ دور جس میں حضورؐ نے ان میں صلاحیت اور استعداد پیدا کی، ان کو کاروبار کرنے کا طریقہ سکھایا۔ حضورؐ نے خود اپنے گھر میں کسی چیز کو جمع نہیں کیا۔ حضورؐ کا یہ فقر اختیاری تھا کہ جس رہنما نے قوموں کو لیڈ کرنا ہے، نمونہ بننا ہے تو وہ اپنے اختیار سے دولت اپنے پاس نہیں رکھتے۔ یہ نہیں کہ حضورؐ کو خدانخواستہ تجارت کرنی نہیں آتی تھی اور کاروبار کرنا نہیں آتا تھا۔ ہرگز نہیں!۔ ہمارے سامنے صفہ والے صحابہ کرامؓ کا تذکرہ کیا جاتا ہے کہ انھوں نے بھوکے ننگے رہ کر دین سیکھا اور سکھایا۔ یہ تو ستر لوگ تھے۔ اور جو دیگر ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کرامؓ تھے، وہ زراعت، تجارت اور صنعت کے ساتھ وابستہ تھے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ جیسے جلیل القدر آدمی خود اپنے ہاتھ پر کپڑا رکھ کر بازاروں میں پھیری لگا کر بیچتے تھے۔ انھوں نے آہستہ آہستہ اپنے کاروبار کو ترقی دی۔ بخاری شریف میں روایت آتی ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے انصاری ساتھی سے کہا کہ ہم باری مقرر کر لیتے ہیں۔ ایک دن تم حضورؐ کی مجلس میں جایا کرو اور میں اپنے کاروبار کے لیے جایا کروں گا۔ دوسرے دن مَیں حضورؐ کی مجلس میں جاؤں گا اور تم کاروبار کے لیے جانا۔ اور شام کو ہم دونوں حضورؐ کے ارشادات ایک دوسرے کو بتلا دیا کریں گے۔ گویا کہ حضرت عمرؓ ایک ماہ میں پندرہ دن کاروبار کر رہے ہیں اور پندرہ دن حضورؐ کی مجلس میں جا رہے ہیں۔ تو یہاں لوگوں نے اپنا رزق اپنی محنت مشقت سے کمایا تو تب مدینہ کی معیشت مضبوط ہوئی اور ان کی سیاسی طاقت بنی۔ اسی طرح حضرت عثمانؓ کی تجارت اور ان کی ترقی کا راز یہی تھا کہ وہ تجارتی مہارت کے ساتھ کام کرتے تھے۔

اب اس تجارت کے بنیادی اصول سچائی اور امانت ہیں۔ جھوٹ کی بنیاد پر جو معاشرہ ہوتا ہے، وہ کبھی کامیاب نہیں ہوتا۔ خواہ جھوٹ سیاست میں ہو یا تجات میں، مذہب میں ہو یا تعلیم میں۔ ”راسُ کُل خطیئۃ الکذوب.“ (تمام گناہوں کی جڑ جھوٹ ہے۔) جہاں جھوٹ ہو اور حقائق مسخ کیے جائیں، جہاں چیزوں کو چھپایا جائے، وہاں کوئی چیز ترقی نہیں کر سکتی۔ جھوٹ ایک دفعہ یا دو دفعہ بولا جا سکتا ہے، اس سے زیادہ تو نہیں۔ جھوٹا آدمی کبھی مارکیٹ کے اندر رہ نہیں سکتا۔ اس کا کاروبار کبھی آگے نہیں چل سکتا۔ تو اس کے لیے سچائی لازمی قرار دی گئی ہے۔

تجارت میں دوسری بڑی اہم ترین بات امانت ہے۔ بددیانتی یا امانت میں خیانت نہیں ہونی چاہیے۔ جب آدمی دوسروں کی خدمت کی نیت سے کام کرتا ہے تو سوسائٹی ترقی کرتی ہے اور اگر خدمت کی نیت نہ ہو، صرف اور صرف اپنے ذاتی مفادات کی حد تک نظر ہو اور باقی انسانوں کی خدمت اور فلاح و بہبود پیش نظر نہ ہو تو اسی سے جھوٹ بھی جنم لیتا ہے۔ اسی سے بددیانتی بھی ہوتی ہے۔ اسی سے کم تولنے اور کم ناپنے کا عمل بھی ہوتا ہے۔ تمام انبیائے کرامؑ نے اس کی مزاحمت کی ہے۔ جیسا کہ قرآن حکیم نے حضرت شعیب علیہ السلام اور دیگر انبیا علیہم السلام کے تذکرے میں تفصیلات بیان کی ہیں۔

مسلمانوں کے غلبے کے زمانے میں مسلمانوں کی تجارت کے ذریعے سے ہی دین پھیلا ہے۔ ہندستان میں دین اسلام عرب تاجروں کے ذریعے سے آیا۔ ہندستان کے ساحلی علاقے مالابار اور احمد آباد میں سب سے پہلے عرب تاجر ہی آئے، جنھوں نے تجارت بھی کی اور دین اسلام کی تبلیغ بھی کی۔ دینِ اسلام کے ناپ تول کا صحیح طریقہ بتلایا تو یہاں کے کاروباری لوگوں نے ان سے سیکھا کہ کاروبار ایسے ترقی کرتا ہے۔ اسی کے نتیجے میں بحری بیڑے بنے۔ پوری دنیا میں عرب تاجر پھیلے۔ دہلی، آگرہ سے لے کر لاہور، پشاور، یہ سارے کاروباری راستے تھے جس کی وجہ سے یہ شہر بنے۔ یہ سارے کے سارے شہر تجارت کے بل بوتے پر بنے۔ پشاور کو پشاور اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ پیشے کی بنیاد پر کام کرنے کا بنیادی مرکز تھا۔ وہاں کاروبار کی ترقی کے اقدامات تھے۔

بدقسمتی سے دو سو سال سے مسلمان چوں کہ غلام ہیں۔ تجارت کے اسلامی اور دینی اصول پس پشت ڈال دیے گئے۔ تب سے دنیا میں سرمایہ پرستی کا نظام غالب ہوا، ایسٹ انڈیا کمپنی نے آ کر ہندوستان پر قبضہ کیا۔ یہ جو تجارتی راستہ تھا، شاہراہِ ریشم کا ہو یا لاہور، پشاور، کابل، قندھار، ایران، تہران، بغداد تک کی تجارتی شارع ہو، یہ سب کاٹ دی گئی۔ اس کے نتیجے میں یہ علاقہ کنگال ہو گیا۔ سب سے پہلے انگریزوں نے یہاں کی تجارت کو برباد کیا۔ تبھی تو یہ پس ماندہ علاقہ بن گیا۔ سارا کاروباری روٹ کلکتہ کے سمندری راستے سے یورپ اور دوسرے علاقوں سے ہو گیا۔ تو اس کے نتیجے میں یہاں کی پوری کی پوری معیشت بیٹھ گئی۔ اور پھر وہ اصول اور ضابطے جو لوٹ مار کے تھے، بددیانتی کے تھے، سرمایہ پرستی کے تھے کہ صرف سرمائے کو اصل بنایا جائے، انسانی محنت مشقت اور ان کی جدوجہد اور کوشش کو نظر انداز کر دیا جائے۔ آج یہی سرمایہ دارانہ اصول کی معیشت ہماری سوسائٹی پر مسلط ہے۔ کیوں کہ دو سو سال ہم غلام رہے ہیں۔ ہمیں تجارت اور کاروبار کے دینی اصول اور ضابطوں اور ان پر مبنی نظام کا علم نہیں رہا۔

ہمارے ملک میں اس وقت معیشت کا عملی نظام سرمایہ داری کا ہے۔ چناں چہ جو اوپر بیٹھی بڑی بڑی ملٹی نیشنل کمپنیاں اور عالمی معیشت کو کنٹرول کرنے والے مافیاز ہیں، وہ کسی چھوٹے تاجر کو بھی نیکی کی بنیاد پر کام نہیں کرنے دیتے۔ مارکیٹ کا دباؤ اور پریشر ایسا ہوتا ہے کہ چھوٹا تاجر وہاں کچھ نہیں کر سکتا۔ مسلمانوں کے غلبے کا نظام جب سے ٹوٹا ہے، تبھی سے سامراجی سرمایہ داری نظام کا پوری دنیا پر تسلط ہوا۔ اور بڑے بڑے مگرمچھوں نے پوری سوسائٹی کو یرغمال بنایا ہوا ہے۔ مسلمانوں کو یہ شعور ہونا چاہیے کہ دینِ اسلام کا عملی نظام قائم ہو گا تو پوری دنیا کے مسائل حل ہوں گے۔ کیپٹل ازم کے اصولوں کے بجائے دینِ اسلام کے بنیادی اساسی اصولوں پر یقین ہو۔ ہم یہ ارادہ اور نیت کریں کہ ہم نے کاروبار صحیح طریقے سے کرنا ہے۔ دین اسلام کے اصولوں پر کرنا ہے۔ اس سے ہٹ کر نہیں کرنا۔ دین کے مطابق اس کا نظام بنانے کی جدوجہد اور کوشش کرنی ہے۔ اپنی وسعت اور دائرے میں رہتے ہوئے اس کے مطابق کام کرنا ہے۔ تو جتنا انسان کے اندر ممکن ہو، اتنی نیت درست کر کے سچائی کے ساتھ کام کریں گے تو دنیا کی کامیابی ملتی ہے اور آخرت کی کامیابی بھی ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کاروبار میں برکت عطا فرمائے۔ آمین!

www.rahimia.org

Monthly RAHIMIA Lahore CPL No. 59

نعتیہ کلام — وسیم اعجاز، کراچی

نعتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

کسے مجال کہ انؐ کے مقام تک پہنچے
دعا ہے انؐ کا کرم اس غلام تک پہنچے

کہاں یہ تابِ سخن میری اور کہاں آقاؐ
مگر یہ شوق کہ اُنؐ کے ہی بام تک پہنچے

انؐ ہی کے نام کو کردوں جہاں میں تابندہ
یہی پیغام ہر اِک خاص و عام تک پہنچے

کہاں ہے ہم میں سلیقہ کہ انؐ کا کام کریں
یہی ہے حاصلِ ہستی کہ خام تک پہنچے

میں جن کے ساتھ ہوں وابستہ ، اُنؐ کے خاص ہیں وہ
ان ہی کے صدقے میری بات تام تک پہنچے

نہیں ہے حرفِ تمنا کہ خُلد میں جاؤں
جو اپنا ہاتھ کبھی اُنؐ کے جام تک پہنچے

جب اُنؐ کا روضۂ اقدس میری نگاہ میں ہو
میرا کلام بالآخر سلام تک پہنچے

اگر تمنا ہے کہ موسمِ بہار رہے
شروع بھی اُنؐ سے ، اُنؐ کے خرام تک پہنچے

کسی دوا میں میرے درد کا علاج نہیں
میری جبیں بھی تو آقاؐ کے گام تک پہنچے

بہت گروہ ہیں جو لیتے ہیں نام اُنؐ کا مگر
بہت ہی کم ہیں جو اُنؐ کے پیام تک پہنچے

جو اُنؐ کے عدل کا پیغام چار سُو کردیں
وسیمؔ بات انھی کی دوام تک پہنچے

دینی مسائل

اس صفحے پر قارئین کے سوالات کے جوابات دیے جاتے ہیں!

از حضرت مفتی عبدالقدیر شعبۂ دارالافتا ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

سوال ایک شخص کے ذمے پانچوں اوقات کی نمازوں کی قضا ہے۔ تو ان کی قضا کیسے ادا کی جائے؟ منظور احمد، کوئٹہ

جواب اگر اس شخص کے ذمے عمر بھر میں کوئی قضا نماز نہیں ہے یا تھی، مگر ادا کرلی تو اس پر ان پانچوں نمازوں کو ترتیب سے اور اس وقت کی نماز سے پہلے پڑھنا ضروری ہے۔ یعنی پہلے فجر، پھر ظہر، پھر عصر، مغرب، عشا۔ پھر ادا نماز اگر اس ترتیب سے ادا نہ کیں تو درست نہ ہوں گی۔ دوبارہ پڑھنی ہوں گی۔ اگر چھے نمازیں قضا ہوجائیں یا پہلے بھی قضا نمازیں ذمے ہیں یا ادا نماز کا وقت تنگ ہوجائے تو ان صورتوں میں اس وقت کی نماز پہلے پڑھے۔ پھر ان چھ نمازوں کو بھی ترتیب سے ادا کرنا ضروری نہیں۔

سوال مرشد سے بیعت میں سابقہ گناہوں سے توبہ کرکے آئندہ زندگی شریعت کے مطابق گزارنے کا عہد کیا جاتا ہے۔ کیا انفرادی گناہ کرنے سے بیعت ٹوٹ جائے گی؟

جواب گناہ کرنے سے بیعت نہیں ٹوٹتی، البتہ گناہ سے فوری توبہ کرلی جائے اور دوبارہ بیعت کے عہد کو تازہ کرکے آئندہ اس پر استقامت اور کاربند رہنے کا عزم کیا جائے۔

سوال گناہ کرنے سے انسان پر نفسیاتی طور پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

جواب حدیثِ پاک میں آیا ہے کہ انسانی دلوں پر کچھ اس طرح سے فتنے آتے ہیں جیسا کہ چٹائی کی بُنتی کے وقت ہر ایک تنکے کے بعد دوسرا آتا ہے۔ پس جو دل ان فتنوں کا پانی پی لیتا ہے تو اس دل میں ایک سیاہ نقطہ لگ جاتا ہے۔ جو دل ان فتنوں کو قبول کرنے سے انکار کردیتا ہے تو اس کے دل میں سفید نقطہ لگ جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ دو طرح کے دل بن جاتے ہیں: ایک سفید چکنے پتھر کی طرح کا دل، چناں چہ جب تک آسمان و زمین قائم ہیں، کوئی فتنہ اسے نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ دوسرے انسان کا دل سیاہ اور آلودہ اُلٹی کالی ہانڈی کی طرح ہوجاتا ہے۔ وہ کسی نیک کام کی پہچان نہیں رکھتا اور کسی برے کام کو ناپسند نہیں کرتا۔ وہ اپنی خواہشات کے مطابق عمل کرتا ہے۔ (مشکوٰۃ، حدیث نمبر 5380) اور دوسری حدیث ہے کہ: ''گناہ وہ ہے جو سینے میں کھٹکا (اضطراب) پیدا کردے۔'' (مشکوٰۃ)

پس گناہ کے نفسیاتی اثرات یہ آتے ہیں کہ گناہ انسان کے اطمینان و سکون کو برباد کردیتا ہے۔ انسان میں ہمت و جرأت ختم ہوجاتی ہے اور سستی و غفلت بڑھ جاتی ہے۔ اگر توبہ نہ کی جائے تو وہ مزید گناہ کا محرک بنتا ہے۔ انسان اللہ کی رحمت سے دور ہوتا ہے اور غضب کے قریب ہوتا جاتا ہے۔ اس لیے گناہ سے بچنا نفل نیکیوں سے زیادہ اہم ہے۔

مدیر اعلیٰ مفتی عبدالخالق آزاد طابع و ناشر نے اے۔ جے پرنٹرز 28/A نسبت روڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ ''رحیمیہ'' رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئینز روڈ لاہور سے جاری کیا۔